روحانیت و معنویت عصر حاضر کے گمشدہ عنصر

مؤلف: ڈاکٹر شمس اللہ مریجی
مترجم: مولانا منہال حسین خیر آبادی

انسانی سماج خصوصاً آج کا ترقی یافتہ سماج ایسا ہے جس میں انسان نے ٹکنالوجی کی دنیا میں ترقی کرنے اور اپنی مادی کائنات کو سجانے اور چمتکار دکھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تاکہ وہ اپنی مادی ترقی کے زینوں سے ہوتے ہوئے روحانی و جسمانی چین و سکون اور معنویت کی انمول نعمت کو حاصل کرسکے، جب کہ اگر سطحی طور پر دیکھا جائے اور انسانوں کی مادی سعی و کوشش کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت بالکل عیاں دکھائی دے گی کہ مادی ترقی اور ٹکنالوجی انسان کی بے قرار روح کو اطمینان عطا کرنے اور اس کے باطن میں متلاطم سمندر کو سکون بخشنے میں بالکل ناکام رہی ہے اور آج تک اس کی حقیقت اور معنویت لاپتہ ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ معنویت آج کے ترقی یافتہ دور کی گمشدہ نعمت ہے جس کے فقدان نے انسانوں میں کھلبلی مچا رکھی ہے اور اسے در در ٹھوکریں کھانے پر مجبور کردیا ہے۔ معنویت اور حقیقت کے شیدائی اس کے فراق و فقدان میں مادی نظام کے ہاتھوں کروٹیں بدل رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی تلخ حقیقت ہے جس سے آج کسی کو انکار نہیں ہے اور آج تک جس سے جو بنا اس نے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے اپنے تئیں اقدامات انجام دیئے ہیں اور انسانوں کو اس مشکل سے رہائی دلانے کے لئے کوشش کی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ معنویت اور معنویت کی چاہت ایک ایسی شفابخش دوا ہے جس کی حیرت انگیز تاثیر کا انکار کوئی نہیں کرسکتا بلکہ اس مسئلہ میں اتفاق رائے پائی جاتی ہے۔ دنیا کے مشہور و معروف سماجی ماہرین جیسے ماکس وبر نے نظریہ "جدیدیت" کو تمام مشکلات کے لئے بہترین راہ حل کے عنوان سے پیش کیا تھا جس میں معنویت کو بالکل بھلا دیا گیا تھا اور ترقی یافتہ سماج کو لوہے کے پنجرہ سے تعبیر کیا گیا تھا جس میں معنویت اور آزادی کا کوئی مقام نہیں تھا۔ اس کے برعکس عصر حاضر کے دانشور مذکورہ نظریہ کے بالکل مدمقابل کھڑے ہوئے ہیں جن میں سرفہرست اشیش نندی ہیں، جن کا عقیدہ ہے کہ اس

دور میں دین سے وابستہ معنویت سماجیات میں بہتری اور انسانی اقدار کی حفاظت کے لئے تنہا ذریعہ ہے اور رفتہ رفتہ اس کی اہمیت لوگوں کے لئے واضح ہو رہی ہے۔

آج کے دور میں معنویت کے متعدد معنی بیان کئے گئے ہیں ؛ جن میں قابل مشاہدہ ہیں؛ انسانی روابط و تعلقات کے اعلیٰ نمونے، معنائے وجودی کی تلاش، انسان کے ملکوتی و الٰہی ابعاد ، ذاتی نظریے اور تجربیات جو ایک انسان کو عالم ماوراسے جوڑتے ہیں۔

بعض دانشوروں نے معنویت کے لئے حیاتی اور جینیاتی بنیادیں بھی قرار دی ہیں اور بعض نے اسے ایک فردی احساس کا نام دیا ہے جو مصیبت و بلا میں گرفتار ہونے اور زندگی کے پیچ و خم میں الجھنے کے بعد آشکار ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ انسان کی محدودیت واضح و روشن ہوتی ہے۔

بعض مادہ پرست دانشوروں نے معنویت کو بظاہر فرضی اور محسوسات کی حد تک قرار دیا ہے ، اسی لئے جب وہ معنویت کے سلسلہ میں بحث کرتے ہیں تو ان کے فہم و شعور میں معنویت کے نام پر اگر کوئی چیز آتی ہے تو وہ امید، اطمینان اور نشاط ہے۔اسی وجہ سے وہ لوگ جب کسی کو معنویت اور سلامتی کی سفارش کرتے ہیں تو اسے فنکاری، ورزش اور یوگا وغیرہ کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ لوگ اگر دین کی باتیں بھی کرتے ہیں تو اسے انسانی چین و سکون کا ایک ذریعہ اور وسیلہ قرار دیتے ہیں اور اگر کبھی اقرار کیا تو بس اتنا ہی کہتے ہیں کہ عقائد، اقدار اور دینی اعمال و مناسک صرف اس لئے مفید ہیں کہ ان کے ذریعہ جسمانی اور روحانی مشکلات کا حل بآسانی ہو جاتا ہے اور ان کی مدد سے بہت سی مصیبتوں سے نجات مل جاتی ہے اگرچہ زیادہ تر وہ بے بنیاد یا من گھڑت ہوتے ہیں۔

وہ لوگ ایسی باتیں اصل حقیقت سے ناآشنائی اور معنویت سے بے بہرہ ہونے کی بنا پر کرتے ہیں۔ ان کی باتیں شاید زندگی کی بعض مشکلات کو بظاہر حل کردیں اور ان کے دل میں اپنی باتیں بٹھا کر وقتی طور پر اس کے وجدان و ضمیر کو سکون عطا کردیں لیکن انسانی مقصد اور اس کی پیدائش کے معنی و مقصد کو سمجھنے کی عطش کو بجھا نہیں سکتے اس لئے کہ باطل اہداف اور ظن و گمان پر قائم مقاصد ہرگز انسان کے لئے مددگار ثابت نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے ایسی باتوں میں آنا اور انہیں قبول کرنا بے معنی اور موہوم زندگی کی وحشتناک تاریکیوں اور طوفان سے بچنے کے لئے بہت ہی برا اقدام ہے اور ایسی باتوں پر اعتماد اور بھروسہ کرنے والے انسانوں کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کر دیا ہے ، یہ باتیں بہت ہی کم مدت کے لئے انسان کو خوش بین بناتی ہیں

اور جیسے ہی اس کی تاثیر کمزور ہونے لگتی ہے، انسان کے وجود میں سستی، مہمل ہونے کے تخیلات اور دھوکا کھانے کا احساس دوبارہ بیدار ہو جاتا ہے، بلکہ یہاں پر یہ بات کہنا بالکل مناسب ہے کہ ایسی باتوں پر بھروسہ کرنا حقیقت میں پستیوں میں گرفتار ہونے اور دوران جاہلی کی بے بنیاد رسومات جیسے جادو اور ٹونے وغیرہ میں پھنسنے کا باعث ہے اور یہ وہ چیز ہے جو عمل گرانی محض سے وجود میں آتی ہے[۱]۔

معنویت کیا ہے؟

معنویت کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اس کے لغوی اور اصطلاحی اور دیگر زبانوں میں اس کے بدلے استعمال کئے جانے والے کلمات کو دیکھنا اور سمجھنا ہوگا۔ تحقیقات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کلمہ سب سے پہلے یورپ میں عیسائیت کے مفاہیم کے درمیان spirituality کی شکل میں استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ لفظ لاتینی لفظ spiritus جس کے معنی نفس کے ہیں اور spirare سے مشتق ہے جس کے معنی دم کرنا یا سانس لینا ہے۔ عہد جدید میں اس کا لاتینی ترجمہ spiritualist یا معنوی شخص کی صورت میں ہوا۔ معنوی شخص اس انسان کو کہا جانے لگا جس کی زندگی امر یا روح القدس یا خدا کے ماتحت ہو۔ یہ اصطلاح عیسائیوں کے خیال کے مطابق الہام کے پرتو میں کتاب مقدس کے اصلی اور لغوی معنی میں پوشیدہ تھی۔ کچھ مدتوں کے بعد مشہور عقیدہ کہ ہر ظاہر میں ایک باطن پوشیدہ ہے، تمام معنوی وقائع کو جیسے کہ عشاء ربانی اور عظمت الٰہی کی تجلی طبیعت کے لئے بولا جانے لگا[۲]۔

البتہ عصر حاضر میں معنویت کے ایک دو نہیں بلکہ متعدد معنی بیان کئے جاتے ہیں جس میں انسانی روابط کے عالی ترین درجات، معنائے وجودی کی کھوج، انسان کے متعالی ابعاد یا ایک عالی اور انسانوں سے مافوق موجود سے متعلق انسانوں کے احساسات وغیرہ شامل ہیں۔ لفظ معنویت حقیقت میں مصدر عنی سے ماخوذ ہے اور ماہرین لغت نے معنوی اصطلاح کو ان تمام امور کے لئے استعمال کیا ہے جو مادی، صوری اور ظاہری کے مقابلہ میں ہوں، یا وہ امور اور معانی جنہیں دل کے ذریعہ سمجھا جا سکتا ہے اور انہیں زبان سے ہرگز بیان نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ دہخدا نے اپنی لغت میں معنوی مقامات میں سیر باطنی، حق کی جانب سلوک کے درجات اور عرفانی مقامات کو شمار کیا ہے۔

۱۔ مصباح، علی، واکاوی مفهومی معنویت و مسالہ معنا، فصلنامہ اخلاق پزشکی، سال ۴، شمارہ ۱۴، ص ۲۴، ۲۵

۲۔ مرزبند رحمت اللہ، زکوی علی اصغر، شاخص ہای سلامت معنوی از منظر آموزہ ھای وحیانی، فصلنامہ اخلاق پزشکی، سال ۶، شمارہ ۲۰، ص ۴۷

حقیقت یہ ہے کہ معنویت اور مادیت کے درمیان کوئی تضاد اور تناقض نہیں پایا جاتا بلکہ وہ دونوں ایک دوسرے کے لازم و ملزوم شمار ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان جہاں مادی ہے وہیں پر معنوی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ اسی لئے معنویت کو ہرگز عقل اور علم کے خلاف نہیں کہا جاسکتا بلکہ برعکس معنویت عقل اور علم سے سازگار بلکہ تینوں ایک دوسرے کے بہترین مددگار ہیں۔

انسانی شخصیت کے ابعاد اور مختلف پہلو آپس میں اس طرح پیوستہ ہیں کہ انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا، بلکہ انسانی حقیقت معنویت اور مادیت کے درمیان قائم ہے اور دونوں انسانی وجود میں بطور مساوی پائے جاتے ہیں، جیسا کہ اس مدعا کی گواہی خداوند عالم قرآن مجید میں دیتا ہے: وَ نَفۡسٍ وَ مَا سَوّٰىهَا فَاَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَ تَقۡوٰىهَا، قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰىهَا[۱] اور نفس کی اور اس کی جس نے اسے معتدل کیا، پھر اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کی سمجھ دی، بتحقیق جس نے اسے پاک رکھا کامیاب ہوا۔

انسانی وجود کی حقیقت یہ ہے کہ ان ظاہری طاقتوں سے مل کر متوازن اور متعادل ہوا ہے جو آپس میں متضاد نظر آتی ہیں اسی لئے ہرگز معنویت کی اصطلاح کو مادیت کے مقابلہ میں استعمال نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ سب کسی نہ کسی طرح اس زمین پر اس کی دنیوی زندگی کی لوازمات میں سے ہیں، جیسا کہ یہ مشہور ہے بلکہ حقیقت ہے کہ یہ مادی کائنات عالم آخرت کے لئے ایک مقدمہ، ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

معنویت اور اس کے مشتقات اسلامی منابع جیسے قرآن، سنت اور ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول روایتوں میں وارد نہیں ہوئے ہیں لیکن مسلمانوں کی ادبیات میں خواہ وہ عربی زبان ہو یا فارسی زبان، فراوان دکھائی دیتے ہیں۔ کلمہ معنویت کا مصدر معنوی ہے۔ کلمہ معنوی بھی یائے نسبتی سے ملحق ہے جو حقیقت میں معنی تھا اور ذاتی طور پر وہ خود مصدر میمی ہے جس کا مطلب مقصود اور مراد ہوتا ہے، پس معلوم ہونا چاہئے کہ کلمہ معنوی حقیقت میں معنی سے منسوب ہے اور کلمہ لفظی کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

معنی ایک ایسی چیز ہے جو الفاظ اور عبارتوں کے پس پردہ مخفی ہوتا ہے جسے الفاظ اور عبارتیں اپنے طور طریقے سے بیان کرتی ہیں اسی لئے جب معنی فعلیت کی منزل میں آتا ہے تو اس کے دو روخ ہوتے

۱۔ سورہ شمس، آیت نمبر ۷ تا ۱۰

ہیں۔ ایک رخ اس کا ظاہر ہوتا ہے اور دوسرا رخ وہ مطلب ہوتا ہے جسے وہ بیان کرنا چاہتا ہے جسے محکی کہتے ہیں۔ بعنوان مثال؛ جب ہم کسی اہم متن کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہیں تو کلمات اور عبارتوں کے ذریعہ ایک ایسے معنی کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو عالم عینی اور خارجی میں یا متکلم کے مافی الضمیر میں موجود ہیں، اگر کوئی متن اس رسالت اور ذمہ داری کو بخوبی پوری نہ کرسکے تو اسے مہمل کہا جائے گا اس لئے کہ ہر بات حقیقت میں ایک ذریعہ ہے جس کی مدد سے کسی حقیقت کو بیان کیا جاتا ہے جسے مدلول کہا جاتا ہے۔ یہی رابطہ ایک عمل اور اس کے معنی میں بھی پایا جاتا ہے۔ اجتماعی علوم میں معنادار اعمال و کردار کے سلسلہ میں بحث ہوتی ہے جو ایک فاعل سے اسی وقت سرزد ہوتا ہے جب وہ کسی مقصد کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر کوئی فاعل کسی ہدف کے بغیر کوئی کام کرنا چاہے تو وہ جو بھی عمل انجام دے گا وہ بے سود ہوگا اور اسے حماقت کا نام دیا جائے گا[1]۔

قرآن میں معنویت کی جڑیں

جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے یہ بات بیان کردی ہے کہ کلمہ معنویت کا استعمال اسلامی منابع میں کہیں بھی نہیں ملتا لیکن اس کے دامن میں ایسے مفاہیم اور اصطلاحیں ضرور ہیں جو اس حقیقت کو بخوبی بیان کرتی ہیں اور اس کے متعدد شواہد خود قرآن مجید میں قابل دید ہیں۔ قرآن مجید نے معنویت کو وسیع پیمانہ پر مورد توجہ قرار دیا ہے اور اس کی نظر میں معنویت کا دائرہ اس قدر وسیع و عریض ہے کہ اس کے اندر احوال، اقوال، افعال، مقاصد، نیات اور انسانی افکار شامل ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کی نظر میں معنویت کی جان خداپرستی پر استوار ہے اور اسی لئے جو کام، حرکت اور فکر بھی خدا کی مرضی، اس کی خوشی اور اس کی راہ میں انجام دے وہ معنویت کے دائرے میں داخل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: قُل اِنَّما اَعِظُکُم بِواحِدَۃٍ اَن تَقُومُوا لِلّٰہِ مَثنیٰ وَ فُرادیٰ[2]۔ اس آیت کے مطابق خلوص کو تمام عبادی، تجاری، سیاسی اور سماجی سرگرمیوں کی جان اور اصل و اساس کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح تمام عبادات جیسے کہ ذکر، تفکر، تعلیم، تعلم، حکومت، حکمت، سیاست اور سلوک و معنویت کو الٰہی و توحیدی آئینہ میں قابل قبول

۱۔ فرہنگستان علوم پزشکی، جستاری در سلامت معنوی، مجموعہ مقالات، ص ۴۳

۲۔ سورہ سبا، آیت ۴۶

گردانتا ہے وگرنہ اس کی نظر میں غیر الٰہی سرگرمیاں عبث ہیں جن کی کوئی وقعت نہیں ہے: إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ[1]۔ اس مقالہ کا اصلی مقصد اسلامی معارف کے سب سے اہم منبع اور انسانوں کی ہدایت کا بے نظیر نسخہ قرآن مجید کی نظر میں معنویت کے مبانی کو تلاش کرنا ہے:

اصالت روح

قرآن مجید کی نظر میں انسان حقیقۃ الحقائق کی ایک جھلک اور خدا کے جلالی و جمالی اسماء کا بے نظیر جلوہ ہے جس کی حقیقت متالہانہ ہے۔ انسان کے وجود کی پہچان، اس کی معرفتی، انسانی اور سماجی و تاریخی حد و حدود کی شناخت اس کی روح کی اصالت کی شرح و تفسیر میں نہفتہ ہے: فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُوحِي[2]۔ اس آیہ شریفہ میں، من روحی کی یاء ابتدائے تکوین پر دلالت کرتی ہے اور فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي[3] سے ظاہر ہوتا ہے کہ سعادت و کمال کی راہ میں انسان کی کمال خواہی عقل و ارادہ اور عشق و ایمان کی بنیادوں پر قائم ہے تاکہ وہ کدحاً فَمُلَاقِيه[4] اس سیر و سلوک کی نہائی منزل پر فائز ہونے کے بعد بارگاہ الٰہی میں سرافرازی سے سرخرو ہوسکے اور معنویت کا شیدا انسان عقل اور وحی، شجرہ طیبہ اور شریعت مقدسہ اور انسان کامل کی مکمل حمایت حاصل کرتے ہوئے صراط مستقیم پر گامزن رہے۔ پس جب انسان معرفت کی اس منزل پر فائز ہوتا ہے تب اس کے وجود میں خدا کو تلاش کرنے اور خدا سے انسیت کی تڑپ جو عبد اللہ ہونے کی شان اور تقرب کا وسیلہ اور پھر رنگ الٰہی میں رنگین ہونے کا باعث ہے، پیدا ہوتی ہے[5]۔

فطرت کی اصالت

قرآن مجید کی گواہی کے مطابق انسان کی فطرت خدائی اور الٰہی ہے اسی لئے اس کے وجود کی چاہتیں خواہ وہ معرفت کی عطش ہو، یا حقیقت پسندی ہو، یا خیر خواہی ہو یا عشق و محبت ہو، عدل و انصاف کی جانبداری

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۲۷
۲۔ سورہ حجر، آیت ۲۹
۳۔ سورہ فجر، آیت ۲۹و۳۰
۴۔ سورہ انشقاق، آیت ۶
۵۔ رودگر محمد جواد، معنویت گرایی در قرآن، فصلنامہ علوم اسلامی، سال چہارم، شمارہ ۱۴

ہواور عبودیت وغیرہ ہوایسے تمام مفاہیم اور چاہتیں سب کی سب انسانی فطرت سے ماخوذ ہیں اور ان کی جڑیں انسانی فطرت میں پائی جاتی ہیں جس کی بناپر اس کی فطرت جو اپنے نفس کی معرفت سے عجین ہے، اصل کی جانب بازگشت سے بارور ہوتی ہے اور اس طرح فطرت میں معنویت کی اصل اصیل اور رکن رکین بیٹھ جاتی ہے۔ اسی لئے خداوند عالم نفس الٰہی اور فطرت الٰہی کی بنیاد پر سلوک کی تعلیم دیتا ہے اور فرماتا ہے: یاایّھا الّذینَ آمنوا عَلَیکُم اَنفُسکُم لاَ یضرّکُم مَن ضَلّ اذَا اھْتَدَیتم[۱]، اسی لئے نبوت ورسالت کا مقصد فطرت انسانی کو تعلیم دینا تھا کہ وہ معرفت کے ساتھ اپنی وجودی حقیقت کی جانب رجوع کرے جیسا کہ حضرت ابراہیم اور نمرودیوں کے درمیان مجادلہ میں بیان ہوا ہے: فرجعوا الی انفسھم[۲] اور اسی طرح قرآن مجید نے اپنے رسول کو "مذکر" یعنی یاد دلانے والا کہہ کر خطاب کیا ہے۔

معنویت کی اصل و اساس فطرت کی اصالت میں مضمر ہے اور فطرت ایک ایسی چیز ہے جس میں تبدیلی کسی بھی حال میں ممکن نہیں ہے اگرچہ وہ حالات و شرائط کے پیش نظر مہجور اور مستور ہی کیوں نہ ہوجائے، انسان کو ہر حال میں ایک نہ ایک دن اپنی اصل کی طرف لوٹنا ہے اور اس مرحلہ سے گذرنا ہے۔آیت اللہ جوادی آملی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

> "اگرچہ وقتی طور پر تبدیلی آسکتی ہے یعنی ظاہری طور پر افکار میں وہم وخیال دخیل ہوجائے، چاہتوں میں شہوت اور غضب حکم فرما ہوجائے اور باطنی طور پر ابلیس کے وسوسے وغیرہ کے ذریعہ عقل انسانی اسیر ہوجائے اور وجود انسانی کا اصلی حاکم اور حکم فرما مہجور و معزول ہوجائے، اس کے جسم و جان پر وہم و گمان اور شہوت و غضب کا قبضہ ہوجائے، اس حالت میں ایک انسان کے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت جو عقل نظری اور عقل عملی کے سایہ میں انجام پذیر ہونا چاہئے وہ وہم و خیال کی جھوٹی رہنمائی اور شہوت و غضب کی جھوٹی امامت کے ذریعہ آگے بڑھنے لگے تو نقصان اور خسارہ کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں ہے[۳]۔"

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۱۰۵

۲۔ سورہ انبیاء، آیت ۶۴

۳۔ جوادی آملی، عبد اللہ، تفسیر انسان بہ انسان، ص ۴۱

پس یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ فطرت کا دار و مدار معنویت پر ہے اسی لئے جو لوگ معنویت سے منہ چراتے ہیں، وہ خود سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور حقیقت میں ایسے لوگ اپنی حقیقت سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید کی گواہی کے مطابق جو لوگ خدا کو بھلا دیتے ہیں خدا انہیں خود سے بیگانگی میں مبتلا کر دیتا ہے یعنی خدا کو بھولنے کا انجام خود سے بیگانہ ہونا ہے: وَلا تَكُونُوا كَالَّذينَ نَسوا للّٰهَ فَانساهُم اَنفُسَهُم اُولئِكَ هُمُ الفاسِقونَ [۱]۔ مذکورہ آیت کے لب و لہجہ کو ملاحظہ کریں کہ کس طرح خداوند عالم ایسے لوگوں کو فاسق قرار دیتا ہے اس لئے کہ وہ اپنی حقیقت سے اور توحیدی و الٰہی فطرت سے بہت دور ہو چکے ہیں۔

علم غیب کی اصالت

اس کائنات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے؛ غیب اور شہادت۔ اس بات کی وضاحت پیش کر دیں کہ یہاں پر کائنات کی دو حصوں میں تقسیم کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حقیقت میں یہ دونوں الگ الگ ہیں بلکہ اس تقسیم کا مطلب یہ ہے کہ اس کائنات کے وجود کے مراتب ہیں جس میں ظاہر و آشکار حقیقتیں نہفتہ ہیں اور ان کے درمیان علت و معلول کا رابطہ پایا جاتا ہے۔ اس کی سب سے بہترین مثال انسان کے وجود میں مشاہدہ کی جا سکتی ہے کہ انسان جسم و جان کا مجموعہ ہے۔ استاد شہید مطہری اعلیٰ اللہ مقامہ اس بات کے لئے ایک خوبصورت تعبیر پیش کرتے ہیں: قرآنی تصور کائنات میں یہ پوری دنیا بس انہیں چیزوں میں محصور نہیں ہے جسے ہم مشاہدہ کر رہے بلکہ ہمارے محسوسات اس دنیا کی بہت ہی نازک پرت ہیں اور جو اصلی دنیا ہے وہ اس پرت اور ہمارے محسوسات سے ماورا ہے، پس جو محسوسات میں قید ہو جائے اسے شہادت کہتے ہیں اور جو نا محسوس ہو اسے غیب کہتے ہیں [۲]۔

جب بھی انسان کے لئے اس کی اصلیت مد نظر ہو گی وہ غیب پر ایمان لائے گا: الذین یومنون بالغیب [۳]۔ اس کی استعداد اور صلاحیتیں نکھر کر سامنے آئیں گی۔ پس معلوم ہونا چاہئے کہ غیب پر ایمان،

۱۔ سورہ حشر، آیت ۱۹
۲۔ مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، ص ۱۲۲
۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۳

باطن کی طرف توجہ اور زندگی کی پائدار اور جاوداں حقائق کو اہمیت دینے کے بعد معنویت کی طرف رجحان بڑھتا ہے اور جب انسان غیب پر ایمان لاتا ہے تو اس کے جملہ امور کو دائمی اصالت اور وہ خود جاوداں ہستیوں سے متصل ہو جاتا ہے۔ اسی مرحلہ کے بعد وہ عالم شہادت سے عالم غیب کی جانب کوچ کرتا ہے اور یہ مادی کائنات جو عالم احساس و شہادت ہے اسے اپنی ترقی اور سعادت کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔ ایک آنکھ سے شہادت اور دوسری آنکھ سے غیب کی رصد کرتا ہے، مادہ پرستی سے دور ہوتا ہے اور معنویت کی جانب ہجرت کرتا ہے اور پھر اس کے لئے غیب پر ایمان لاتا ہے اور عقلی و نقلی اور کشفی و شہودی ادلہ و براہین کے ذریعہ اس کی اصالت کو حاصل کرلیتا ہے۔ پس معلوم ہونا چاہئے کہ انسان کی معرفت جتنی زیادہ ہوگی اس کے وجود میں معنویت کی جڑیں اتنی ہی گہری اور عمیق ہوں گی اور جب معرفت اور خلق و عمل کے درمیان مقابلہ ہوتا ہے تو ہمیشہ معرفت کو اصالت حاصل ہوتی ہے[1]۔ علامہ طباطبائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: معنوی زندگی، ہمیشہ عالم معنا کی اصالت پر قائم ہوتی ہے[2]۔

شریعت کی اصالت

قرآن کریم نے معنویت اور پروردگار کے تقرب کو حاصل کرنے کا ذریعہ شریعت کی پابندی میں قرار دیا ہے۔ یہاں پر شریعت سے مراد عقائد، اخلاق اور احکام الٰہی ہیں یعنی اسلام نے اپنی تمام تعلیمات وہ خواہ کسی بھی شعبہ سے متعلق ہوں، عقائد ہوں، یا افکار و نظریات ہوں یا پھر شریعت اپنے خاص معنی میں ہو یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر البتہ یہ بات نظر میں رہے کہ قرآنی معنویت اسلامی عقائد، اخلاق اور احکام سے الگ نہیں ہے۔ اس لئے کہ آیہ شریفہ: ثُمَّ جَعَلناكَ عَلَى شَريعةٍ مِنَ الأمرِ فَاتَّبَعَها وَلَا تَتَّبِع اَهوَاءَ الَّذين لَا يَعلَمون[3] یا آیہ شریفہ: مَا آتاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُم عَنهُ فَانتَهُوا[4] جب مذکورہ دونوں آیتوں کو ایک دوسرے سے ملایا جاتا ہے تو معنویت کے درمیان شریعت کی اصالت کا موضوع واضح و روشن ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ خدا، وحی، نبوت، رسالت، امامت اور ولایت کے

۱۔ جوادی آملی عبداللہ، تفسیر تسنیم، ص ۱۷۵

۲۔ طباطبائی محمد حسین، شیعہ، ص ۲۳۷

۳۔ سورہ جاثیہ، آیت ۱۸

۴۔ سورہ حشر، آیت ۷

بغیر معنویت کا کوئی معنی نہیں ہے بلکہ وہ معنویت نہیں ہے اور وہ حقیقی معنویت کی طرح روح افزا نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ علامہ طباطبائی علیہ الرحمہ نے آیہ شریفہ میں لما یحییکم کے لام کو الیٰ کے معنی تفسیر کی ہے اور لکھا ہے: اس طرح لام کو الیٰ معنی میں استعمال کرنا عربوں کے درمیان رائج ہے، اور پیغمبر اکرمؐ جس امر کی جانب لوگوں کو دعوت دینے کے لئے مبعوث ہوئے تھے وہ دین حق تھا اور حقیقی و برحق دین اسلام ہے اور قرآن مجید نے اسی اسلام کو فطرت کے مطابق قرار دیا اور اس کی تفسیر و تشریح علم اور عمل صالح سے کی ہے[۱]۔

اسی لئے اسلامی معنویت مردہ انسان کو بھی زندہ کر دیتی ہے اور اس کی طبیعی حیات میں حیات طیبہ کی روح پھونک دیتی ہے اور اس کی حیوانی زندگی کو عقلانی اور روحانی زندگی میں بدل دیتی ہے اور اس کے اعمال و افکار جاوداں ہو جاتے ہیں۔ خدا پر ایمان اور عمل صالح کے ذریعہ اس کا وجود پر نور ہو جاتا ہے اور دوسروں کے لئے علمی اور عملی نمونہ عمل بن جاتا ہے[۲]۔

قرآن میں معنویت کے معیارات

معنویت کے مباحث میں ایک اہم بحث اس کے معیارات ہیں جن کے ذریعہ اس کی شناخت ہوتی ہے اور وہ خود بھی انہیں معیارات پر قائم ہے، تاکہ ان کی کسوٹی پر واقعی و غیر واقعی، دینی و غیر دینی اور جھوٹی و سچی معنویت کا پتہ لگایا جاسکے اور معنویت کی کھوج لگانے والوں کو معلوم ہوسکے کہ حقیقی معنویت مفید، زندگی میں جان ڈالنے والی، روح افزا، سعادت بخش اور کمال عطا کرنے والی ہوتی ہے اور جس معنویت میں یہ خصوصیات نہ ہوں وہ جھوٹی، غیر واقعی اور تباہ و بربادی کا پیش خیمہ ہے، اس لئے کہ آج کی دنیا میں قسم قسم کی معنویت کا بازار گرم ہے تاکہ ماڈرن معنویت کے نام پر ماڈرن انسان کو سیکولر اور لیبرل معنویت عصر حاضر کے انسانوں کی معنویت کی کمی اور شخصیت کے فقدان کی بیماریوں کا علاج کرسکے۔ اسی موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض لوگوں نے معنویت کو ہتھکنڈہ بناتے ہوئے ایک نئی شکل میں انسانوں کے سامنے پیش کردیا تاکہ وہ اپنے گمان میں انسانوں کی مشکلات کو حل کرسکیں اسی لئے اس دور میں معنویت کی اصل واساس اور بنیادوں کو سمجھنا بہت ضروری ہے تاکہ حقیقی معنویت کو نقلی معنویت سے تشخیص دے سکیں۔

۱۔ طباطبائی محمد حسین، تفسیر المیزان، ج۹، ص ۵۵

۲۔ رودگر محمد جواد، معنویت گرائی در قرآن، فصلنامہ علمی، پژوہشی علوم اسلامی، سال چہارم، شمارہ ۱۴

عقلانیت اور خرد ورزی

قرآنی معنویت عقلانیت پر قائم ہے تاکہ اس کے معیارات بھی عقلانی ہوں اور اسے خرد کی کسوٹی حاصل ہو، اس لئے کہ اگر معنویت کی پشت پناہ عقل نہ ہو تو زندگی میں حقائق کے ٹکراؤ کی وجہ سے انسان میدان چھوڑنے پر مجبور ہو جائے گا۔اسی لئے اسلامی روایتوں میں عقل کو مومن کا بہترین رہنما بتایا گیا ہے العقل لا ینخدع ؛عقل والے ہر گز دھوکہ نہیں کھاتے۔

علی قدر العقل یکون الدین [۱]؛ انسان کے پاس جتنی عقل ہوتی ہے اتناہی دین ہوتا ہے۔ اسی طرح خدا کی بارگاہ میں خضوع و خشوع بھی اسی عقل کی وجہ سے ہے۔اگر عقل و خرد کی رہنمائی نہ ہو تو خدا کے سامنے بھی انسان گستاخ ہو جاتا ہے۔ انه لم یخف الله من لم یعقل عن الله ؛جس کے پاس عقل نہ ہو وہ اللہ سے خوف نہیں کھاتا[۲]۔ یا ارشاد ہوتا ہے: ماکذب العاقل، کوئی بھی عقلمند جھوٹ نہیں بولتا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ معنویت جس کی بنیادیں عقلانیت اور خرد ورزی پر قائم نہ ہوں وہ ہمیشہ عقلانیت کے مد مقابل کھڑی ہو گی۔ اسی طرح وہ عشق جسے عقل کے مد مقابل پیش کیا جاتا ہے یعنی غیر معقول عشق میں کوئی معنویت اور روحانیت نہیں ہوتی بلکہ اس نکتہ کی طرف توجہ کی ضرورت ہے کہ عقل ہمیشہ ایمان، معنویت، فضیلت اور باطنی چین و سکون کا معیار اور اس کا اصلی راز ہے [۳] اور وہ معنویت جس میں عقلانیت نہ ہو وہ معنویت نہیں ہے۔

اعتدال اور توازن

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ معنویت انسان کی روح کی ضرورت کا نام ہے اور روح بھی رشد و کمال کی محتاج ہے تاکہ کمال کی اعلیٰ منزلوں پر فائز ہوسکے لیکن جہاں روح کی تمام ضرورتوں کا پورا ہونا ضروری ہے وہیں کمال کی منزلوں میں مسافت طے کرنے کے دوران تعادل اور توازن بھی ضروری ہے تاکہ اسے مناسب طریقہ سے رشد و کمال حاصل ہوسکے ورنہ روح بعض منزلوں میں کمزور اور بعض میں

۱۔آمدی عبد الواحد، شرح غرر الحکم و درر الکلم، ج۱، ص ۱۱۶ و ج ۲، ص ۴۲۰، ۴۴۴ و ج ۴، ص ۳۱۳

۲۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار ، ج۱، ص ۱۳۹

۳۔ جوادی آملی، عبد اللہ، ادب فنای مقربان، ج ۲، ص ۶۴، ۶۶

قوی ہو جائے گی۔ اسلامی تربیت اور قرآنی تعلیمات میں انسان کی صلاحیت اور قوت و طاقت، تعادل اور توازن پر قائم ہے، تاکہ اس میں خلقت کی وجہ سے کوئی افراط و تفریط نہ ہوسکے بلکہ اس میں انسان کے معنوی ابعاد کے تمام اطراف و جوانب کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے اسی لئے اسے پوری طرح مورد توجہ قرار دینا ضروری ہے لہذا نہ معنویت کو سماجیات کی وجہ سے قربان کرنا ہے اور نہ ہی سماجیات کو معنویت کی بھینٹ چڑھانا ہے، بلکہ دائرہ معنویت میں سماجیات قابل دید ہوں، اسی طرح سماجیات کے دائرہ میں معنویت دکھائی دیتی ہو۔اسی طرح انسان کی معنوی تعلیم و تربیت میں جسم اور روح دونوں کو مد نظر قرار دیا جائے جیسا کہ نماز صبح کی تعقیبات میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ نور چشم کے ساتھ نور دل یا بصر اور بصیرت دونوں کی نورانیت کی درخواست ہوئی ہے: واجعل النور فی بصری والبصیرۃ فی دینی۔

روح اور جسم کی تربیت کے ساتھ شہوت رانی اور نفس پرستی سے مقابلہ بھی دین و ایمان کا تقاضہ ہے اس لئے کہ جب تک ایک مسلمان قرآن کی معنویت کے سایہ میں اپنے جسم اور روح کی سلامتی کو حاصل نہیں کرتا، منزل کمال کو طے نہیں کرسکتا اور حقیقت میں رشد و کمال جسم و روح کی پیدائش کا اصلی مقصد ہے، اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ روح پانچ ابعاد پر مشتمل ہے؛

۱۔ عقلی صلاحیت (یعنی حقیقت کی تلاش اور علم دوستی) ۲۔ اخلاقی صلاحیت (یعنی فطرت کا صحیح و سالم ہونا) ۳۔ دینی صلاحیت ۴۔ ذوق اور ہنری صلاحیت ۵۔ ایجاد اور اختراع کی صلاحیت

انسانی روح کے مذکورہ پانچ ابعاد کو اسلامی اور معنوی تربیت کے زیر سایہ پروان چڑھانا ہوگا تاکہ ان میں تعادل اور توازن پیدا ہو جائے، لہذا علم کی تلاش میں جانا، عقل کی تربیت کرنا، خلوت، سحر خیزی اور تربیت کے تمام مراتب کا خیال رکھنا انسان کی دائمی ضرورت ہے۔ ایک انقلابی جستجو اور کمال مطلق کو حاصل کرنے کی راہ میں اس کی سیر ناپذیری کی دلیل ہے اور یہ سب کچھ ایک متعادل معنویت کو حاصل کرنے کیلئے ہے۔

استاد شہید مطہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: ایک سچا مسلمان ہی انسان کامل ہوتا ہے، ہمیشہ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کو اپنے لئے نمونہ عمل بنانا چاہئے، اس لئے کہ مولا اپنی عارفانہ تنہائیوں اور خلوت میں ایسے ہی تھے۔ تاریخ اس کی گواہی دیتی ہے، سماجی مسائل میں حد سے زیادہ دقیق اور حساس تھے پس جو اسلام کا شیدائی ہوتا ہے وہ ایسا ہی ہوتا ہے[۱]۔

۱۔ مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، ص ۵۵۸، ۶۸۸

عبودیت پسندی

روح معنویت یعنی خدا کی بندگی، الٰہی بن جانااور اس کے اوصاف میں فنا ہو جانا اور اخلاق الٰہی سے آراستہ ہونا ہے اس لئے کہ عبادت کی روح معنویت اور روحانیت کو حاصل کرنے کے لئے ہے۔ استاد شہید مطہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: عبادت کی روح یاد دہانی اور تذکر ہے یعنی خدا کی یاد اور اس کے ذکر میں مشغول رہنااور خدا کی غفلت سے محفوظ رہنا[1]۔ روایتوں کی روشنی میں ایک عارفانہ عبادت اور حضور قلب کے ساتھ دو رکعت نماز تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ نماز ہی انسان کی معراج اور اس کی روح کی بالیدگی ہے، حقیقت میں عبادت خودی کو توانا بنانا اور اپنی خودی سے ماورا کا سفر کرنا اور ظاہر و باطنی قید و بند سے آزاد ہونا ہے یعنی جب انسان ایک موجود نامحدود سے تعلق پیدا کرتا ہے تو وہ وجودی اعتبار سے وسیع اور نامحدود بن جاتا ہے۔ اسی لئے تمام اسلامی عبادتیں، واجب ہوں یا مستحب ہوں، وہ سب کی سب شرح صدر اور مختلف شعبہ ہائے حیات میں شگوفائی کا باعث ہوتی ہیں۔

عبودیت جو خدا سے قلبی رابطہ اور جوہری تعلق کا نام ہے، اس وقت متعالی اور قابل رشک ہوتی ہے جب انسان غفلت کی دیواروں کو منہدم کر دیتا ہے اور جملہ روابط خواہ وہ اپنی ذات سے ہو یا سماج سے ہو جب منطق و استدلال اور عقل کی رہنمائی میں ہوتے ہیں تب ان میں استحکام پیدا ہوتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی عبادات میں وہ نماز ہو، دعا ہو، حج ہو، یا جہاد ہو امر بالمعروف ہو یا نہی عن المنکر ہو، جملہ حقوق جیسے خدا کے حقوق، سماج کے حقوق بلکہ پوری کائنات کے حقوق کی طرف بھرپور توجہ دی گئی ہے۔

تمام اسلامی عبادتوں میں جو معنویت کی پرچمدار ہیں، مخلوقات خدا اور ان کے لئے خدا کا لطف و کرم شامل کر دیا گیا ہے۔ اسی لئے اسلامی و قرآنی معنویت میں کوئی بھی کام غیر خدا کے لئے نہیں ہوتا اور نہ ہی عبودیت الٰہی سے عاری ہوتے ہیں بلکہ ان میں سراسر اخلاص اور تسلیم پائی جاتی ہے۔ ایک معنوی انسان ہر گز اپنے سماج اور گھریلو حقوق سے دستبردار اور بے توجہ نہیں ہوتا۔ ایک متعبد انسان اپنی زندگی اور اپنے وجود کے تمام ابعاد کی بھرپور مدیریت اور اس کی منصوبہ بندی کر سکتا ہے تاکہ اپنے وجود کے ہر عیب و نقص کو دور اور خود کو ہر قسم کے قید و بند سے رہا کر دے، پوری طرح آزاد ہو جائے بلکہ اپنی معنوی آزادی کے بعد ہر

۱۔ مجموعہ آثار، ص ۶۳۶

قسم کی آزادی کو اپنے اختیار میں بھی لے سکتا ہے، البتہ یہ بات یاد رہے کہ ربوبیت اور ولایت کے کچھ مراحل ہیں جنہیں ہم یہاں پر بیان کرتے ہیں:

الف) نفس اور نفس کی طاقت پر قابو پانا یا اپنی جان و روح کی تربیت کو اپنے ہاتھ میں لینا۔

ب) جسم کو اپنی تربیت میں قرار دینا اس طرح کہ بعض سرگرمیوں میں وہ جسم کی خدمت سے بے نیاز ہو جائے۔

ج) بیرونی امور کو قبضہ میں لینا اور تمام خارجی معاملات پر انسانی ارادہ کا حاکم ہو جانا البتہ خدا کی اجازت سے اس لئے کہ مطلق عبودیت انسانی مقامات کو حاصل کرنے اور راہ الٰہی کو طے کرنے کا بے نظیر ذریعہ ہے[۱]۔ علامہ شہید مرتضی مطہری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ماننا ہے کہ ایک معنوی انسان میں درج ذیل تین اصول کا ہونا ضروری ہے:

۱۔ توحید افعالی، صفاتی اور ذاتی

۲۔ کسی بھی کام کو غیر خدا کے لئے انجام نہ دے بلکہ ہمیشہ اپنے آپ کو خدا کے حضور میں محسوس کرتا رہے۔

۳۔ خدا کو اس کائنات کا مالک اور قادر سمجھے جس نے پوری ہستی کو عدالت اور حکمت کے پیمانہ پر خلق کیا ہے۔

قرآنی معنویت کی روح و روان بندگی، خدا کی عبودیت اور خدا کی یاد ہے۔ حقیقت میں عبودیت معنویت کو قدرتمند بنانے اور مترقی بنانے میں نہایت مددگار ہے، عبودیت کے ذریعہ معنویت اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ اس میں عقیدہ، اخلاق اور انسانی کردار شامل ہو جاتے ہیں۔ علامہ شہید مطہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: عبادت کے معنوی، اخلاقی اور سماجی آثار سب کے سب ایک چیز میں جمع ہوتے ہیں اور وہ حق کی یاد اور اس کے غیر کو بھلا دینا ہے۔

معنویت کے آثار

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آج کا انسان اپنی بھرپور ترقی کے ساتھ مشکلات اور مصائب کی گتھیوں میں الجھ کر چین و سکون کو کھو بیٹھا ہے اور اسے طرح طرح کے آلام کا سامنا ہے۔ ابھی تک ہم نے

۱۔ رود گر، محمد، معنویت گرایی در قرآن

معنویت کے جو اصول و قوانین اور پیچ و خم بتائے ہیں، وہ حقیقت میں آج کے انسانوں کے درد والم کی بہترین دوا ہے۔ اگر اس موضوع کو بنیادی طور پر مورد تحقیق قرار دیا جائے تو بڑے بڑے لاینحل مسائل بآسانی حل ہو سکتے ہیں اگرچہ اس مقصد تک رسائی کے لئے مستقل کتاب اور ہمت کی ضرورت ہے۔ ہم یہاں پر معنویت کے بعض آثار کو فہرست وار بتاتے ہیں:

۱۔ جسم اور جان کی سلامتی: بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے: تمہارے جسمانی آلام اور امراض کی بہترین دوا تقویٰ اور معنویت ہے۔

۲۔ قرآنی معنویت کے ذریعہ خوف ختم ہوتا ہے اور حقیقت میں وہ مومن کی پناہگاہ اور اس کا سکون ہے۔

۳۔ معنویت کے ذریعہ انسان ان تمام چیزوں کے سلسلہ میں معلومات حاصل کر سکتا ہے جو اس کے لئے مفید یا نقصان دہ ہیں۔

۴۔ انسان کی مادی اور معنوی زندگی کو ہدفمند بناتا ہے اور اس کی زندگی کو غم واندوہ سے عاری چین و سکون سے بھر دیتا ہے۔ اسی طرح معنویت کے ذریعہ اس مادی کائنات میں زندگی کو خوشگوار، پسندیدہ اور عفو و بخشش سے بھرپور بنایا جا سکتا ہے۔

۵۔ انسان کی جسمانی اور نفسیاتی تنہائی کا علاج اور اس کی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

۶۔ عالم و ہستی سے متعلق انسانی ذہن کے متلاطم سوالوں کا جواب دیا جا سکتا ہے۔

۷۔ فردی واجتماعی زندگی بلکہ تمام شعبہ ہائے حیات میں اخلاق اور اخلاقیات کی پشت پناہی کرنا۔

۸۔ پیچیدہ اور لاینحل مسائل کو معنویت کے ذریعہ حل کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ زندگی اور اس کے پیچ و خم سے راضی اور خوش و خرم رہا جا سکتا ہے۔

۱۰۔ موت اور موت کے بعد کے مسائل کے سوالوں کا جواب مل جاتا ہے۔

۱۱۔ دوستی، محبت اور اپنے جیسے انسانوں سے محبت اور ان کی مدد کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۱۲۔ ہم عقیدہ لوگوں سے مدد ملتی ہے اور جو لوگ معنویت کے شیدا ہیں ان کی حمایت حاصل ہوتی ہے۔

۱۳۔ عزت نفس میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس بات پر ایمان رکھنا کہ خدا قادر مطلق ہے اس غیر خدا کے سامنے ہرگز جھکنے نہیں دیگا۔

۱۴۔ سعادت اور امید کی نعمت سے مالا مال ہوتا ہے اس لئے یہ دونوں چیزیں صراط مستقیم میں سفر کے لئے زاد راہ ہیں۔

۱۵۔ روحی توازن حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ صحیح اور بہترین فیصلہ کے لئے ایک محرک اور عامل ہے۔

۱۶۔ روحانی قید و بند سے آزادی ملتی ہے اور دنیوی و مادی تعلقات سے خلاصی حاصل ہوتی ہے۔

۱۷۔ مادی مشکلات اور مصائب کے مقابلہ میں نفسیاتی اور روحانی قدرت حاصل ہوتی ہے۔

۱۸۔ انسان کے وجود میں بیٹھے ہوئے باطل اور بے بنیاد عقائد اور رسومات ختم ہو جاتے ہیں۔

ابھی تک ہم نے جو موارد گنوائے ہیں ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معنویت کے بس اتنے ہی آثار ہیں اور اس کے علاوہ معنویت کا کوئی فائدہ نہیں ہے یا ان میں شباہت پائی جاتی ہے اور اس لحاظ سے اس کے آثار کم ہیں، بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مذکورہ تمام موارد اپنے اندر طولانی بحثوں کے حامل ہیں اور ہر ایک کو جداگانہ طور پر معرض تفسیر و تشریح میں رکھا جاسکتا ہے، مذکورہ موارد اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ دین اور معنویت کے ذریعہ سکون و اطمینان کی نعمت حاصل ہو سکتی ہے لیکن اصلی بات یہ ہے کہ دین اور عرفان جس انسان کو جس قدر بھی میسر ہو وہ اسی حد تک اس کے فوائد اور آثار سے بہرہ مند ہوتا ہے اور اسے چین و سکون نصیب ہوتا ہے مگر یہ کہ انسان قلبی طور پر سست عقیدہ کا مالک ہو اور اس کے آثار کو ملاحظہ نہ کر سکے[۱]۔

آخری بات

ایک معنوی زندگی کے ذریعہ ایک نئی زندگی کی تعمیر ہوتی ہے اور انسان کی باطنی زندگی پروان چڑھتی ہے۔ علامہ طباطبائی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: باطنی سیر اور معنوی زندگی اسی بنیاد پر قائم ہوتی ہے، اس لئے کہ معنوی مقامات اور باطنی کمالات اس طبیعت اور ظاہری زندگی سے الگ ایک پوشیدہ اور باطنی حقیقت کا نام ہے اور عالم باطن حیات معنوی کی زیست گاہ ہے جو ایک واقعی کائنات اور مادی کائنات سے کہیں زیادہ وسیع و عریض اور حقیقت کے اعتبار سے بالاترین درجہ کی مالک ہے۔ معنوی مقامات انسان کی واقعی زندگی کی ضامن اور اس کی حامل ہے، اور ہرگز اس کی حقیقت مجازی، وضعی اور سماجی گٹھ بندھن کا نتیجہ نہیں ہے۔

۱۔ کیانی محمد حسین، جایگاہ آرامش در عرفان و معنویت گرایی جدید، کتاب نقد، ش ۴۵، ص ۲۱۱۔ ۲۱۲

انسانی اعمال اور کردار کے درمیان رابطہ، اسی طرح اس کے نفسانی حالات اور ملکات کے درمیان رابطہ، اسی طرح مذکورہ حالات اور ملکات کے درمیان رابطہ، نیز باطنی منازل اور مقامات کے درمیان رابطہ اسی طرح وہ باطنی مقامات اور مراحل اور وہ عوامل جو مذکورہ مراحل میں موجود ہیں، وہ سب کے سب حقیقی وجود کے مالک ہیں۔ ان کا وجود واقعی اور مادی وطبیعت کی حکومت و سلطنت سے باہر ہے۔ بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ معنوی زندگی اور قیامت کی معرفت، وہ خواہ جس شکل و صورت میں میسر ہو، عالم معنا کی اصالت پر قائم ودائم ہے[1]۔

علامہ شہید مرتضی مطہری علیہ الرحمہ کا بھی ماننا ہے کہ انسان ایک ایسے نفس کا مالک ہے جس کے متعدد رخ ہیں۔ اس کی ایک صورت مادی ہے جس کے ذریعہ مادی لذتیں اور ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور اس کی دوسری صورت عالی مرتبت ہے جس کے ذریعہ معنوی لذت اور اہم ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ پس انسان کی مادی اور حیوانی ضروریات اور اس کی مادی صورت پر اکتفا کرنا نیز اس کی حقیقی و عالی صورت اور حقیقت سے غفلت کرنا باعث ہوتا ہے کہ انسان کی محبت اور اس کی معرفت مادیات اور فانی دنیا میں سرگرم ہو جائے اور اس کی الٰہی زندگی معنویت اور معرفت سے خالی ہو جائے۔ ہدف کا نہ ہونا اور معنویت سے خالی ہونا حقیقت میں تمام رنج و غم اور مصائب و آلام کا سرچشمہ ہے اور اسی وجہ سے فردی و اجتماعی خرابیاں وجود میں آتی ہیں۔ امام جعفر صادقؑ اسی حقیقت کو بہت ہی خوبصورت پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں: راس کل خطیئة حب الدنیا ؛ ہر برائی کی جڑ دنیا سے محبت ہے [2]۔

دین یعنی زندگی کا جامع و کامل دستور العمل جو ایک طرف ہمیں مقصد اور مراد کی طرف رہنمائی کرے اور دوسری طرف ہمیں اس مقصد کو پانے کے لئے صحیح راستہ دکھائے اور ان تمام پیچ و خم اور تنگ و تاریک راہوں میں جہاں عقل و منطق کو رسائی حاصل نہیں ہے، وہاں بھی انسان کی مددگار ہو۔ پس معلوم ہونا چاہئے کہ دین کے شفا بخش نسخہ کے ذریعہ جسے ہم نے معنویت کا نام دیا ہے، نیز انسانی حیات کا مقصد اور اس کی واقعی مراد کی تشخیص، اسی طرح ان راہوں کی کھوج جو اس راہ میں مقصد کی جانب رہنمائی کر سکتے

۱۔ طباطبائی، محمد حسین، معنویت تشیع منقول از مصباح علی، تحقیق مفہومی معنویت پیشین، ص ۳۱ و ۳۲

۲۔ مطہری، مرتضی، امامت و رہبری، ص ۳۲

ہیں ، ہم اپنی خلقت کے مقصد کو حاصل کر سکتے ہیں اور اس راہ میں دین کی اطاعت کامیابی کاراز ہے اسی لئے دین اور معنویت کے درمیان رابطہ اٹوٹ ہے بلکہ دین اور معنویت ایک دوسرے سے اس قدر عجین ہیں کہ دین کے بغیر معنویت اور معنویت کے بغیر دین بے معنی ہیں اور جب دونوں اکٹھا ہوتے ہیں تو اکسیر حیات بنتے ہیں۔

منابع و مآخذ

- ابن منظور، لسان العرب، دار صادر، بیروت، ۱۴۰۵
- آمدی عبدالواحد، شرح غرر الحکم ودرالکلم، ج۱، انتشارات دانشگاہ تہران، تہران
- جوادی آملی عبداللہ، تفسیر تسنیم، ج۲، نشر اسراء، قم، ۱۳۷۹
- جوادی آملی، عبداللہ، تفسیر انسان بہ انسان، مرکز نشر اسراء، قم، ۱۳۸۴
- رودگر محمد جواد، معنویت گرایی در قرآن، فصلنامہ علمی پژوہشی علوم اسلامی، سال چہارم، شمارہ ۱۴، تابستان ۱۳۸۸
- طباطبائی محمد حسین، تفسیر المیزان، دفتر انتشارات اسلامی، ج۹، قم، ۱۳۸۴
- طباطبائی محمد حسین، شیعہ، موسسہ پژوہشی حکمت و فلسفہ ایران، تہران، ۱۳۸۲
- فرہنگستان علوم پزشکی، جستاری در سلامت معنوی، مجموعہ مقالات، ۱۳۸۹
- کیانی محمد حسین، جایگاہ آرامش در عرفان و معنویت گرایی جدید، کتاب نقد، ش ۴۵
- مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، دار احیاء التراث العربی، ج۱، بیروت
- مرزبند رحمت اللہ، زکوی علی اصغر، شاخص ہای سلامت معنوی از منظر آموزہ ھای وحیانی، فصلنامہ اخلاق پزشکی، سال۶، شمارہ ۲۰، تابستان ۱۳۹۱۔
- مصباح، علی واکاوی مفہومی معنویت و مسئلہ معنا، فصلنامہ اخلاق پزشکی، سال ۴، شمارہ ۱۴، زمستان ۱۳۸۹
- مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، انتشارات صدرا، تہران، ۱۳۸۳
- مطہری مرتضی، امامت و رہبری، انتشارات صدرا